ہم نے پاکستان کیوں بنایا؟

مصنف

علامہ محمد اسدؒ

ترجمہ:

سید قاسم محمودؒ

دعوۃ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، فیصل مسجد، اسلام آباد

نام کتاب	:	ہم نے پاکستان کیوں بنایا؟
مصنف	:	علامہ محمد اسدؒ
ترجمہ	:	سید قاسم محمودؒ
سرورق	:	محمد طارق اعظم
نگران طباعت	:	حیران خٹک
کمپوزنگ	:	محمد ظفر
حروف خوانی	:	محمد اشتیاق خاکی
طابع	:	ادارہ تحقیقات اسلامی پریس، اسلام آباد
اشاعت دوم	:	۲۰۱۰
تعداد اشاعت	:	۲۰۰۰
قیمت	:	۳۰/- روپے

ISBN.978-969-556-234-5

ناشر

دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست مضامین

پیش لفظ

اللہ جل مجدہ' اور پیغمبر اعظم و آخر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک پاکیزہ مثالی معاشرہ قائم کرنے کے لیے اس کے جملہ خد وخال کو بیان فرمایا۔ اُن خوبیوں کو بیان فرمایا جو کسی بھی کامیاب معاشرے کا حسن ہوتی ہیں اور اُن مفاسد اور گمراہیوں کو بھی کھول کھول کر بیان فرمایا جو معاشرتی حسن کو دیمک کی طرح چاٹ لیتی ہیں اور پورا معاشرہ شکست وریخت کا شکار ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید فرقان حمید نے اوامر ونواہی کے ساتھ ساتھ جو ماضی کی اقوام و ملل کے قصص بیان فرمائے ہیں اُن کا مقصد محض واقعات بیان کرنا نہیں بلکہ قرآن اُمت مسلمہ کو عروج وزوال کے یہ قصے اس لیے سناتا ہے کہ یہ وہ اقدارِ عالیہ اور اوصافِ حمیدہ ہیں جنہیں اپنا کر مختلف اقوام کی تقدیر کا ستارہ کمال بلندی پر چمکا اور یہ وہ مفاسد اور خرافات ہیں جنہوں نے اقوام کو قعرِ مذلّت میں گرادیا۔ اور یہ سنت الٰہیہ ہے کہ انہی بنیادوں پر اللہ جل مجدہ' نوازتا ہے اور غضب ناک بھی ہوتا ہے۔

قرآن کے مخاطبین اور محمد رسول اللہ ﷺ کے نام لیواؤں میں سے ایک معتدبہ طبقہ آج اغیار کی تقلید میں جہاں اپنی اقدار اور شناخت سے محروم ہو چکا ہے وہاں ساتھ ہی ساتھ اُن ابدی محاسن سے بھی تہی دست ہو چکا ہے جو کبھی مسلم معاشرے کا طرۂ امتیاز تھے۔

دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد اقدارِ اسلامیہ کو پروان چڑھانے اور اخلاقی برائیوں کے تدارک کے لیے جہاں ٹریننگ پروگرام کا اہتمام کرتی ہے وہاں مختلف طبقات کے لیے آسان، عام پیرایۂ بیان میں قرآن و سنت کی روشنی میں ضخیم کتب کے ساتھ ساتھ کتابچہ جات کی طباعت کا بھی اہتمام کرتی ہے۔

زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ اللہ جل شانہٗ دعوۃ اکیڈمی کے کارکنان کی مساعیٔ جمیلہ کو قبول فرمائے اور اپنے فضل خاص سے سرفراز فرمائے، آمین۔

پروفیسر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمن
ڈائریکٹر
دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

تعارف

علامہ محمد اسد (مرحوم)

تعارف علامہ محمد اسد (مرحوم): بین الاقوامی شہرت یافتہ مسلم دانشور، مفکر و مصنف علامہ محمد اسد ۱۹۰۰ء میں آسٹریا کے ایک قصبے میں ایک یہودی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ماں باپ نے ان کا نام لیوپولڈ وائز رکھا۔ بچپن ہی سے انہیں حقیقتِ کبریٰ کی جستجو رہتی تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کے اصول و احکام کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا۔ آخر کار ان کے دل نے اسلام کو سب سے اچھا اور سچا مذہب تسلیم کیا۔ تب انہوں نے اسلامی دینیات، شریعت، طریقت، قانون، فقہ، تصوف اور مسلمانوں کے طرزِ حیات کا گہرائی سے مشاہدہ و مطالعہ کیا اور بالآخر ۱۹۲۶ء میں باضابطہ طور پر اسلام قبول کر لیا۔ اسلامی نام محمد اسد رکھا گیا۔

دین اسلام قبول کرنے کے بعد سعودی عرب گئے اور وہاں شاہ ابن سعود کے قریبی حلقۂ احباب میں شامل ہو گئے۔ علامہ صاحب مسلسل چھ برس سعودی عرب میں رہے۔ ان کا بیشتر وقت حرمین شریفین میں بسر ہوا۔ ۱۹۳۰ء میں ہندوستان آئے اور لاہور میں رہائش اختیار کی۔ یہاں علامہ اقبال سے قریبی اور قلبی رشتۂ محبت استوار ہوا۔ اسلامی فکر و فلسفہ اور عملی تعلیمات و احکام پر دونوں مفکروں کے درمیان طول طویل مباحث و مذاکرات ہوتے۔ صیہونیت سے اسلام کی طرف روحانی و ذہنی قلبِ ماہیئت کو علامہ اسد نے اپنی پہلی تصنیف ''شاہراہ مکہ'' میں بڑی عمدگی سے رقم کیا۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد علامہ صاحب کو ''اسلامی تعلیمات بورڈ'' کا رکن نامزد کیا گیا جو حکومتِ پاکستان نے ممتاز عالم دین مولانا سید سلیمان ندوی کی سربراہی میں قائم کیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ان کی خدمات پاکستان کی وزارتِ خارجہ کے

سپرد کر دی گئیں، بعد ازاں انہیں اقوام متحدہ (نیویارک) میں پاکستان کا مستقل مندوب مامور کیا گیا۔

علامہ صاحب کی قابلِ ذکر اور اہم تالیفات جو انہوں نے انگریزی زبان میں قلم بند کیں یہ ہیں:

1. The Message of the Quran
2. The Road to Mecca
3. Islam at the Crossroads
4. Sahih Al- Bukhari (The Early Years of Islam)
5. The Principles of State and Government in Islam

علامہ اسد کا مقالہ "ہم پاکستان کیوں بنانا چاہتے ہیں"؟ قیام پاکستان سے صرف تین ماہ پہلے مئی ۱۹۴۷ء میں ان کے اپنے ماہوار جریدے "عرفات" میں شائع ہوا تھا۔ اس سے اس کی علمی و عملی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے جو پچاس سال (اب تریسٹھ سال) کے بعد پاکستان کی فکری حالتِ زار کے تناظر میں اور بھی زیادہ شدت اختیار کر گئی ہے۔ یہی اس کی اشاعت کا سبب بھی ہے۔

سید قاسم محمود

ہم پاکستان کیوں بنانا چاہتے ہیں؟

علامہ اسد کا یہ فکر انگیز مقالہ پاکستان بننے سے تین ماہ قبل
مئی ۱۹۴۷ء میں جریدہ "عرفات" میں شائع ہوا تھا

تین چار ماہ پہلے کی بات ہے، میں نے "عرفات" کے شمارہ فروری میں ایک سوال اٹھایا تھا: "کیا واقعی ہم اسلام چاہتے ہیں"؟ یہ کوئی خطیبانہ سوال نہیں تھا کہ قارئین کی دینی اصلاح کے لیے ذہن میں آیا ہو۔ فی الحقیقت یہ ایسا سوال تھا جو ہمیں اپنے آپ سے ضرور پوچھنا چاہیے کہ "کیا واقعی ہم اسلام چاہتے ہیں"؟ وقت آگیا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو اس سوال کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اپنے حال اور مستقبل کے حوالے سے اس سوال کے تمام نتائج و عواقب کا پورا پورا تجزیہ کرنا ہوگا اور اپنے اندر اخلاقی جرأت پیدا کرنی ہوگی کہ اس سوال کے جواب میں ایمان داری سے "ہاں" یا "نہ" کہہ سکیں۔ فی زمانہ، جیسے حالات ہمارے مشاہدے میں آرہے ہیں، ان کی کیفیت یہ ہے کہ بے شمار مسلمان زبان سے تو کہتے ہیں "ہاں" اور عمل سے کہتے ہیں "نہ"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام کی باتیں تو بہت کرتے ہیں اور بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ کہتے ہیں کہ اسلام بہترین ضابطۂ حیات ہے، اسلام واحد ضابطۂ حیات ہے جو انسانیت کو تباہی کے راستے سے بچا سکتا ہے، اس لیے اسلام واحد منزلِ مقصود ہے جس کے نفاذ کے لیے کوشش کی جانی چاہیے۔ یہ لوگ کہتے تو یہی ہیں، لیکن اپنے اعمال اور سماجی رویوں سے وہ

اسلام سے زیادہ سے زیادہ دور ہوتے جاتے ہیں۔ ہماری جدید تاریخ میں اسلام کے بارے میں اتنی باتیں کبھی نہیں ہوئی تھیں، جتنی آج کے ہندوستان میں ہو رہی ہیں۔ ہر طرف اسلام، اسلام کا غلغلہ ہے اور اس کا برعکس بھی درست ہے کہ اسلام کی سچی روح کے مطابق عملاً اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کی طرف اتنی بے توجہی کبھی نہیں برتی گئی، جتنی آج کے ہندوستان میں برتی جا رہی ہے۔

اس مقام پر شاید میرے اس دعوے کے خلاف آپ کے دل میں شکایت یا احتجاج پیدا ہو اور آپ اس زبردست جوش و خروش کی طرف توجہ دلائیں جو نظریۂ پاکستان نے مسلمانانِ ہند میں برپا کر رکھا ہے۔ آپ کہیں گے اور ایسا کہنے میں آپ حق بجانب ہوں گے کہ مسلمانانِ ہند بالاخر اپنی طویل گراں خوابی سے بیدار ہو گئے ہیں، انہوں نے ایک عظیم مقصد کے لیے اتنا زبردست اتفاق و اتحاد حاصل کر لیا ہے کہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ مسلمان ہونے کی بنا پر انہوں نے اپنا جداگانہ ثقافتی تشخص قائم کرنے کا شعور حاصل کر لیا ہے۔ تحریکِ پاکستان کا پہلا نعرہ ہی "لا الہ الا اللہ" مقرر ہوا ہے اور انہوں نے ایسی سیاستِ حاکمہ قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے جس میں مسلم تصورِ کائنات، مسلم اخلاقیات اور مسلم معاشرتی افکار مکمل اظہار کی راہ پا سکیں۔ اور شاید آپ کسی قدر رنجیدگی سے مجھ سے دریافت کریں گے کہ کیا میں ان سب باتوں کو اسلامی نقطۂ نظر سے بے وقعت اور غیر اہم خیال کرتا ہوں؟

بات یہ ہے کہ میں ہرگز ہرگز ان کو بے وقعت اور غیر اہم خیال نہیں کرتا۔ میری نظر میں یہ بہت وقیع اور اہم ہیں۔ میرا عقیدہ ہے (اور گزشتہ چودہ سال سے میں اس عقیدے پر قائم ہوں) کہ ہندوستان میں اسلام کا کوئی مستقبل نہیں، ماسوا اس کے کہ پاکستان ایک حقیقت بن کر قائم ہو جائے۔ اگر پاکستان واقعی قائم ہو جاتا ہے، تو پورے عالم اسلام میں

ایک روحانی انقلاب آسکتا ہے، یہ ثابت کرنے کے لیے کہ جس طرح تیرہ سو سال پہلے ایک نظریاتی، اسلامی ہیئتِ حاکمہ قائم کرنا ممکن تھا، کم و بیش اسی طرح آج بھی ممکن ہے لیکن ہمیں ایک سوال کا جواب دینا ہوگا۔ کیا تحریک پاکستان کے تمام قائدین اور ہر اول اہلِ دانش اپنے ان دعوؤں میں سنجیدہ اور مخلص ہیں کہ اسلام اور صرف اسلام ہی ان کی جدوجہد کا اوّلین محرک ہے؟ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ "پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ" تو کیا وہ اس کا مطلب بھی جانتے ہیں کہ وہ کہہ کیا رہے ہیں؟ پاکستان کا نظریہ اور پاکستان کا خواب کیا ہم سب کے ذہنوں میں ایک ہی ہے، یا مختلف و متفرق ہے؟

یہ سوالات معمولی نہیں ہیں۔ یہ بڑے سوال ہیں، اتنے بڑے کہ ہمارے موجودہ مصائب سے بھی بڑے ہیں اور ان انفرادی تکالیف سے بھی بڑھ کر ہیں جو اس ملک میں ہزاروں مسلمان مرد و زن سر دست برداشت کر رہے ہیں۔ ان سوالوں کے جواب ہی سے اس بات کا فیصلہ ہوگا کہ یہ تکالیف اور قربانیاں مستقبل کے ایک نئے تناظر یعنی اسلام کے مکمل اثبات و نفاذ کی نوید لائیں گی یا ایک قومی مسلم ریاست کی تشکیل کے ذریعے سے مسلمانانِ ہند کی محض اقتصادی صورتِ حال کی اصلاح و ترقی کی ضامن ہوں گی۔

یہاں میں جریدہ "عرفات" کے شمارہ فروری ۱۹۴۷ء میں شائع شدہ اپنے ایک مضمون کا اقتباس پیش کرنے کی جسارت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے لکھا تھا: "تحریک پاکستان ایک نئے اسلامی نظام کا نقطۂ آغاز بن سکتی ہے، بشرطیکہ ہم مسلمان محسوس کریں اور قیام پاکستان کے بعد بھی برابر محسوس کرتے رہیں کہ اس تحریک کی حقیقی اور تاریخی وجہ جواز یہ نہیں ہے کہ ہم اس ملک کے دوسرے باشندوں سے مختلف لباس پہنتے، مختلف زبان بولتے یا مختلف انداز میں علیک سلیک کرتے ہیں، یا یہ کہ ہمیں دوسری قوموں سے کچھ شکایات ہیں یا یہ کہ ہمیں زیادہ معاشی مواقع کی خواہش ہے یا یہ کہ ان لوگوں کے لیے جو خود کو محض

عادت کے طور پر "مسلمان" کہلواتے ہیں، زیادہ کشادہ جگہ کی طلب ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ مطالبہ پاکستان کا اگر کوئی جواز ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ایک سچی اسلامی مملکت قائم کی جائے، دوسرے لفظوں میں یہ کہ عملی زندگی میں اسلامی احکام و شعائر رائج کیے جائیں"۔

پاکستان کے بارے میں میرا تصور یہی ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے مسلمانوں کا بھی یہی تصور ہے۔ میں نے "بہت سے" کہا ہے، "سب" نہیں کہا، اور نہ "بیشتر" کہا۔ اس احتیاط کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اکثر و بیشتر تعلیم یافتہ طبقے کا تصورِ پاکستان یہ نہیں ہے۔ ان کے نزدیک پاکستان کا مطلب فقط یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند کو ہندو غلبے سے نجات دلائی جائے اور ایک ایسی سیاسی ہیئتِ حاکمہ قائم کی جائے جہاں مسلمانوں کو اقتصادی مفہوم میں اپنی ایک خود مختار جگہ مل جائے۔ ان کے نزدیک اسلام کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ متعلقہ لوگوں کا مذہب اتفاق سے اسلام ہے جیسے کہ آئرلینڈ کی جدوجہدِ آزادی میں کیتھولکیت کو بھی اس لیے کچھ اہمیت حاصل ہوگئی تھی کہ آئرلینڈ کے بیشتر باشندوں کا یہی مذہب تھا اور جس طرح کہ آئرستانی قومیت کی تحریک میں کیتھولکیت کو محض ایک اضافی، جذباتی عنصر کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی، اسی طرح خدشہ ہے کہ تحریک پاکستان میں اسلام کے نام پر نعرے بازی بھی کہیں قومی خود اختیاری کی جدوجہد میں محض ایک اضافی، جذباتی عنصر بن کر نہ رہ جائے۔

میں صاف صاف اور واشگاف لفظوں میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے بہت سے بھائی اور بہنیں پاکستان کے روحانی و اسلامی مقاصد پر یقین تو کیا رکھیں گے، وہ ان کی مطلق پروا بھی نہیں کرتے، اور وہ ایسے جذبات کے بہاؤ میں بہے چلے جا رہے ہیں جو قوم پرستی کے جذبات سے ملتے جلتے ہیں۔ اور یہ بات خاص طور پر ان مسلمانوں پر لاگو ہوتی ہے جنہوں نے مغربی خطوط پر تعلیم پائی ہے۔ دین اسلام سے ان کی بے اعتنائی گزشتہ چند

عشروں میں پختہ ہوئی ہے۔ شرعی احکام کی پابندی ایسے لوگوں کے لیے خاصی پریشان کن اور تکلیف دہ بن گئی ہے۔ مغربی طرزِ فکر کے سوا کسی اور انداز میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ان میں مفقود ہو چکی ہے۔ چنانچہ ان کے قلوب میں یہ عقیدہ پیدا ہی نہیں ہوتا کہ دنیا کے معاشرتی اور سیاسی مسائل خالص مذہبی اصولوں کے تحت حل ہو سکتے ہیں۔ اسلام کا نام ان کی زبان پر آتا ہے تو محض رسماً آتا ہے، کسی اصول و نظریے کے تابع ہو کر نہیں آتا۔ انہیں اسلام سے کوئی دلچسپی ہوتی ہے، تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ اپنی قوم کی روایات میں ثقافتی اقدار کا بھرم رکھا جائے۔ اس قسم کی ذہنیت والے لوگوں کے لیے پاکستان کا مطالبہ ویسا ہی قومی مطالبہ ہے، جیسے مصر مصریوں کے لیے، چیکوسلواکیہ چیک لوگوں کے لیے، یعنی لوگوں کے ایک گروہ کی جانب سے، چند مخصوص اقتصادی مفادات اور چند مشترکہ ثقافتی خصائص (اور مسلمانانِ ہند کی صورت میں اسلام سے وابستہ ثقافتی خصائص) کی اساس پر خود اختیاری کا مطالبہ۔ نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم۔

یقیناً آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ یہ پاکستان کا بہت کمزور تصور ہے۔ یہ تصور اس اسلامی جوش و خروش سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا، جس کا مظاہرہ ہمارے عوام کی بہت بڑی اکثریت بڑے واضح، لیکن بڑے بے ہنگم طریقے سے کر رہی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے اکثر نام نہاد اربابِ دانش اسلام سے صرف اس حد تک غرض رکھتے ہیں، جس حد تک کہ وہ ان کی سیاسی خود اختیاری کی جدوجہد کے لیے مفید مطلب ہو سکتا ہے، جب کہ ہمارے عوام خود اختیاری کا مطالبہ صرف احیائے اسلام کی آرزو کے تحت کر رہے ہیں لیکن چونکہ ان کی آرزوئیں واضح نہیں ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ انہیں حاصل کیوں کر کیا جاتا ہے، اس لیے فطری طور پر وہ اہلِ قیادت پر بھروسہ کرتے ہیں۔ پس قیادت کے روحانی اوصاف ہی سے بالآخر یہ طے ہو گا کہ پاکستان کے لیے مسلمانوں کی جدوجہد کی روحانی کیفیت کیا ہو گی اور

پاکستان اپنے قیام کے بعد کیسا رنگ روپ اختیار کرے گا۔

پاکستان کی انفرادیت

جہاں تک مسلمانانِ ہند کا تعلق ہے، تحریکِ پاکستان کی جڑیں ان کے اس جبلی احساس میں پیوست ہیں کہ وہ ایک "نظریاتی قوم" ہیں، اور اسی لیے وہ خود مختار، جداگانہ سیاسی وجود کے حق دار ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ محسوس کرتے اور جانتے ہیں کہ ان کا جداگانہ تشخص، دوسری اقوام کی طرح، مشترکہ نسلی مشابہتوں اور قرابتوں یا مشترکہ ثقافتی وابستگی کی اساس پر قرار پاتا ہے۔ پس ان پر لازم آجاتا ہے کہ وہ اپنے جداگانہ تشخص کے جواز کی خاطر ایسا معاشرتی و سیاسی نظام قائم کریں جس میں اسلامی نظریہ و اعتقاد (یعنی شریعت) ان کی قومیت کے ہر پہلو میں نمایاں دکھائی دے۔

یہ ہے تحریکِ پاکستان کا حقیقی و تاریخی نصب العین۔ یہ ہرگز ہندوستان میں مسلم اقلیت کے اجتماعی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ پاکستان میں ہمیشہ غیر مسلم اقلیتیں رہیں گی، جس طرح کہ ہندوستان میں مسلم اقلیتیں رہیں گی، اس لیے اقلیتوں کے مسئلے کے سراسر حل کی ذمہ داری پاکستان پر عائد نہیں ہوتی۔ یہی ہے وہ نکتہ جس پر ہمیں اور ہمارے نکتہ چینوں کو ذرا رک کر غور کر لینا چاہیے۔ اقلیتوں کا مسئلہ بے شک ہر لحاظ سے ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے لیے انتہائی اہم ہے، لیکن یہ مسئلہ بنیادی طور پر تحریکِ پاکستان کا اصل محرک نہیں ہے۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ اقلیتوں کا مسئلہ تحریکِ پاکستان کے اصلی نصب العین کا ایک اتفاقی لازمہ ہے۔ تحریکِ پاکستان کا اصلی نصب العین کیا ہے؟ ایک اسلامی ہیئتِ حاکمہ کا قیام، جس میں ہمارا نظریہ حقیقت کا رنگ روپ اختیار کر سکے۔ صرف اسی نصب العین کی روشنی میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ بمبئی یا مدراس کے مسلمان، جن کو خوب معلوم ہے کہ ان کے صوبے پاکستان کا حصہ نہیں بنیں گے، حصولِ پاکستان کے اتنے ہی متمنی ہیں جتنے پنجاب یا بنگال کے

مسلمان۔ بمبئی اور مدراس کے مسلمان یہ جاننے کے باوجود کہ ان کے صوبے جغرافیائی و علاقائی اعتبار سے پاکستان میں شامل نہیں ہوں گے، اگر "مسلم اکثریت" کے صوبوں کے بھائیوں کی مانند پوری شدت و توانائی سے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ اس دعوے کا ٹھوس ثبوت ہو گا کہ اسلام ایک عملی مذہب اور مکمل ضابطۂ حیات ہے، اور یہ کہ مسلمان، محض مسلمان ہونے کی بنا پر ایک ملّت ہیں، خواہ وہ جغرافیائی لحاظ سے کسی بھی علاقے میں آباد ہوں۔ اور اگر غیر مسلم ہمارے اس دعوے پر اس بنیاد پر نکتہ چینی کرتے ہیں کہ دنیا میں کہیں بھی، حتیٰ کہ دنیائے اسلام میں بھی، کسی ملک یا علاقے میں محض مذہبی عقائد کی اساس پر جداگانہ قومیت کا مطالبہ نہیں کیا جاتا، تو ہمارا جواب یہ ہے کہ یہی تو تحریکِ پاکستان کی خاص انفرادیت ہے۔

کیا دوسروں کو یہ طے کرنے کا حق دے دیا جائے کہ ہماری قومیت کے عناصر کیا ہونے چاہئیں اور کیا نہیں؟ کیا ہمیں اس حقیقت کے اعتراف میں شرمساری محسوس کرنی چاہیے کہ ہمارا سیاسی نصب العین ترکوں، مصریوں، افغانیوں، شامیوں یا ایرانیوں کے موجودہ سیاسی نصب العین سے بالکل مختلف ہے؟ کیا ہمیں یہ سوچ کر فخر نہیں کرنا چاہیے کہ تمام مسلم اقوام میں یہ ہم اور صرف ہم مسلمانانِ ہند ہیں جو گردشِ ایام کو پیچھے کی طرف ہٹا کر امت واحدہ کے اس تصور کی جستجو میں نکل کھڑے ہوئے ہیں جس کی ہدایت انسانِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لیے کی تھی۔

پس دنیائے اسلام میں جہاں کہیں بھی سیاسی عوامی تحریکیں چل رہی ہیں، ان سب کے مقابلے میں تحریکِ پاکستان فی الحقیقت منفرد و یکتا ہے۔ اس جیسی اور کوئی تحریک نہیں۔ بلاشبہ وسیع و عریض دنیائے اسلام میں اور بھی لوگ ہیں جو اسلام کے سچے شیدائی ہیں،

جو رسول کریمؐ کی تعلیمات کے فروغ کے لیے اور اپنی قوم کی اخلاقی سربلندی کے لیے بے لوث خدمات انجام دے رہے ہیں، لیکن پوری دنیا میں کہیں بھی ایسا نہیں ہے، سوائے تحریکِ پاکستان کے، کہ پوری کی پوری مسلم قوم منزل اسلام کی جانب گامزن ہو گئی ہو۔ کسی بھی موجودہ اسلامی ملک میں ایسی تحریک نہیں چلی جس کا مقصد اسلامی نظام کا نفاذ ہو، سوائے تحریک پاکستان کے۔ بعض اسلامی ممالک مثلاً ترکی اور ایران، اپنے سرکاری و حکومتی مقاصد میں علانیہ غیر اسلامی ہیں، اور انہوں نے کھلم کھلا اعلان کر رکھا ہے کہ اسلام کو سیاست اور عوام کی معاشرتی زندگی سے الگ رکھنا چاہیے۔ حتیٰ کہ ان اسلامی ملکوں میں بھی، جہاں مذہب کی تھوڑی بہت قدر باقی ہے، اور جہاں مختلف مدارج میں اس کی روحانی میراث بر قرار ہے، وہ بھی یوں سمجھیے کہ صرف ان معنوں میں "اسلامی" ہیں کہ وہاں کے باشندوں کی اکثریت کا مذہب اسلام ہے، جب کہ ان کے سیاسی مقاصد و عزائم اسلامی اصول و نظائر کے تابع نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے حکمران یا مقتدر گروہ جس چیز کو "قومی مفادات" کہتے ہیں، مغرب کے مفہوم ہی میں "قومی مفادات" ہیں۔ اس لیے ان ملکوں کی سیاسی تنظیمات سے، خواہ وہ سعودی عرب یا افغانستان کی طرح مطلق العنان سلطنت ہوں یا شام کی طرح ری پبلک ہوں یا مصر اور عراق کی طرح آئینی بادشاہت ہوں، اسلام کی طرف جھکاؤ رکھنے کی توقع نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان ملکوں کے عوام یا حکمران اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مختلف تاریخی وجوہ سے ان کی حکومتوں یا سیاسی نظاموں کا اسلام سے براہِ راست تعلق نہیں ہے۔

تحریکِ پاکستان کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ بلاشبہ اس تحریک میں اسلام سے جذباتی وابستگی اور اسلامی سیاسی نظام میں آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ اس تحریک کی عملی کامیابی کا سبب ہمارے عوام کی یہ جذباتی خواہش (اگرچہ مبہم) ہے کہ ایک

ایسی ریاست قائم کی جائے، جہاں حکومت کی اشکال و اغراض اسلام کے اصول و احکام کے مطابق ہوں، ایک ایسی ریاست جہاں اسلام محض عوام کی مذہبی و ثقافتی روایات کا ٹھپہ نہیں ہو گا بلکہ ریاست کی تشکیل و تاسیس کا بنیادی مقصد ہو گا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایک ایسی نئی اسلامی ریاست جو جدید دنیا میں پہلی ریاست ہو گی جو تمام اسلامی ملکوں کے سیاسی افکار میں انقلاب برپا کر دے گی اور دوسرے اسلامی ملکوں کے عوام میں تحریک پیدا کرے گی کہ وہ ایسے ہی نصب العین کے لیے جدوجہد کریں اور یوں یہ ریاست (پاکستان) دنیا کے اکثر حصوں میں تجدید و احیائے اسلام کی عالم گیر تحریک کا پیش خیمہ بن جائے گی۔

اس لیے مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ تحریکِ پاکستان احیائے اسلام کے لیے زبردست امکان کا درجہ رکھتی ہے۔ اور جہاں تک میری نظر جاتی ہے، تحریک پاکستان ایک ایسی دنیا میں تجدید و احیا کی ''واحد امید'' ہے جو بڑی تیزی سے اسلامی مقاصد سے دور ہٹتی جا رہی ہے۔ لیکن یہ ''واحد امید'' بھی اس اعتبار پر قائم ہے کہ ہمارے قائدین اور عوام قیام پاکستان کا اصل مقصد اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں اور اپنی تحریک کو ان نام نہاد ''قومی'' تحریکوں میں شامل کرنے کی ترغیب میں نہ آئیں جو آئے دن جدید دنیائے اسلام میں ابھرتی رہتی ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا خطرہ ہے، اور مجھے کبھی کبھی اس کے رونما ہونے کا خدشہ صاف نظر آتا ہے۔ میری مراد نسلی خطوط پر قوم پرستی نہیں ہے، جس کی مثالیں دوسرے ملکوں میں دکھائی دیتی ہیں۔ مسلمانانِ ہند میں نسلی بنیاد پر قوم پرستی ناممکن ہے، کیونکہ یہاں مسلم قوم انتہائی متنوع نسلی عناصر سے ترکیب پائی ہے لیکن تحریک پاکستان کے اپنے اصلی نظریاتی راستے سے منحرف ہونے کا خطرہ مجھے ایک اور سبب سے نظر آ رہا ہے۔ وہ سبب یہ ہے کہ ''ثقافتی قومیت'' پر ضرورت سے زیادہ زور دیا جا رہا ہے، لیکن مشترکہ نظریاتی اساس کے بجائے چند مخصوص ثقافتی رجحانات، سماجی عادات و رسوم کا تحفظ، اور اس گروہ کے معاشی

مفادات کا تحفظ جو بر بنائے پیدائش ''مسلمان'' واقع ہوئے ہیں۔ اس میں شک و شبہے کی گنجائش نہیں کہ اسلامی خطوط پر مسلمانوں کے مستقبل کی منصوبہ سازی میں ثقافتی روایات و اقدار اور فوری معاشی تقاضوں کی پاس داری انتہائی اہمیت کے حامل عوامل ہیں، لیکن جو نکتہ ذہن نشین کرانا مقصود ہے، وہ یہ ہے کہ ان انتہائی اہم عوامل کو ہمارے نظریاتی نصب العین سے الگ جداگانہ حیثیت نہیں دی جاسکتی۔

لیکن صاف نظر آرہا ہے کہ ہمارے اکثر و بیشتر اربابِ دانش سے یہ غلطی سرزد ہو کر رہے گی۔ جب وہ پاکستان کی بات کرتے ہیں تو وہ اکثر یہ تاثر دیتے ہیں کہ جیسے مسلم دنیا کے ''حقیقی'' مفادات اسلام کے خالص نظریاتی مفادات سے جدا کوئی چیز ہوں۔ بالفاظ دیگر اسلام کے بنیادی نظائر و شعائر سے کوئی تعلق رکھے بغیر بھی ''اچھا پاکستانی'' بننا ممکن ہے۔

میرا خیال ہے کہ قارئین محترم میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ ''مسلم مفادات'' اور ''اسلامی مفادات'' میں تفریق کرنا بے عقلی کی بات ہے۔ اسلام مسلمانوں کے وجود و تشخص کے چند عوامل و خصائص میں سے محض ایک نہیں ہے بلکہ اسلام تو ان کے وجود کی تاریخی علّت اور بنیادی جواز ہے۔ مسلم مفادات کو اسلام سے جدا کوئی چیز خیال کرنا ایسا ہی جیسے کسی ''زندہ چیز'' کو زندہ بھی کہنا اور زندگی سے عاری بھی سمجھنا۔ ایک سوچنے سمجھنے والے آدمی کے نزدیک یہ کیسی بھی بے عقلی کی بات ہو، یہ امر بھی تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ بیشتر لوگ (اور ان میں ہمارے اکثر اربابِ دانش بھی شامل ہیں) غور و فکر نہ کرنے کی عادت میں مبتلا ہیں۔

فراریت اور خود فریبی

جب ہمارے قائدین اور ہمارے اربابِ دانش حصولِ پاکستان کی خاطر مسلمانوں سے اتحاد، اخوت، ایثار، اور ضرورت پڑنے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کی اپیلیں کرتے ہیں

توان کے ذہن میں ''اسلامی ہیئتِ حاکمہ'' کا نقشہ کیا ہوتا ہے؟ کیا یہ درست نہیں ہے کہ وہ تحریک پاکستان کے منفی پہلو سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ یہ منفی پہلو ناممکنات میں سے ہے، یہ کہ غیر مسلم غلبے کے تحت مسلمانوں کا آزادانہ زندگی گزارنا۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ وہ تحریک پاکستان کے مثبت پہلو سے تعلق کم کم رکھتے ہیں۔ مثبت پہلو یہ ہے کہ اسلام کی خاطر، اسلام کے مطابق اپنا معاشرتی و سیاسی نظام قائم کرنا۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ اکثر و بیشتر تعلیم یافتہ مسلمانوں اور ہمارے اکثر سیاسی لیڈروں کے نزدیک اسلام محض غیر مسلموں سے فرقہ وارانہ جدوجہد میں ایک جنگی تدبیر ہے، بجائے اس کے کہ اسلام مقصود بالذات ہوتا۔ گویا اسلام ہماری منزل مقصود نہیں ایک منطقی استدلال ہے۔ ایک امنگ نہیں، ایک نعرہ ہے۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ ہمارے اکثر رہنما نام نہاد مسلم قوم کی خاطر زیادہ سیاسی قوت اور زیادہ معاشی مراعات کے حصول کے لیے کوشاں ہیں، بجائے اس کے کہ وہ نام نہاد مسلم قوم کو ایک سچی اسلامی قوم بنانے کی کوشش کرتے؟

ہمارے رہنماؤں نے اب تک جو اچھے کام انجام دیے ہیں، میں انہیں کم کر کے نہیں دکھانا چاہتا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ بعض اعتبار سے ان کے کارنامے بہت زیادہ ہیں اور انتہائی تعریف و توصیف کے مستحق ہیں۔ انہوں نے ایک خوابِ خرگوش میں ڈوبی ہوئی قوم کو بیدار کیا ہے، یہی کارنامہ بہت بڑا ہے۔ پھر یہ کہ انہوں نے قوم میں ایسا زبردست اتحاد پیدا کیا ہے، جو دنیائے اسلام میں اس سے پہلے کبھی نظر نہیں آیا۔ ہر ذی ہوش آدمی اس کا اعتراف کرے گا اور کرنا چاہیے۔ میں جو اپنے بعض رہنماؤں پر الزام تراشی کرتا رہتا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلم عوام کی تقدیر بدل دینے والی اس فیصلہ کن گھڑی میں انہیں روحانی عظمت کی راہ پر گامزن کرنے کے بجائے دیدہ دانستہ اس راہ پر لگا دیا جو بنیادی طور پر ہمارے موجودہ بحران کی ذمہ دار ہے۔ اس بات کو میں سادہ لفظوں میں یوں

کہوں گا کہ ہمارے رہنماؤں نے یہ بتانے اور دکھانے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی کہ اسلام ہی ہماری موجودہ جدوجہد اور تحریک کا اصل اور بنیادی مقصد و منتہا ہے۔ اس میں شک نہیں، جب وہ اخباری بیان جاری کرتے ہیں یا عوامی جلسے سے خطاب کرتے ہیں تو اسلام کا نام ضرور لیتے ہیں، لیکن لفظ اسلام کا استعمال وہ صیغہ مستقبل میں کرتے ہیں، کہ جب پاکستان وجود میں آجائے گا تو اسلام بھی آجائے گا۔ انہوں نے کبھی مسلمانوں کے موجودہ طرزِ فکر اور طرزِ حیات کو اسلامی اصول و احکام سے زیادہ ہم آہنگ اور مطابق کرنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ میرے خیال میں یہ بہت بڑی فروگذاشت ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ مستقبل حال کا بچہ ہے۔ اٹل ہے، غیر متبدل ہے۔ جیسا ہم آج سوچیں اور کریں گے، اس کا اثر ہماری کل کی زندگی پر ضرور پڑے گا۔ اگر پاکستان کا مطلب واقعی "لا الہ الا اللہ" ہے تو ہمارا عمل بھی اس کلمے کے مطلب کے قریب سے قریب تر ہونا چاہیے، گویا ہمیں صرف اپنے قول کا سچا مسلمان نہیں، بلکہ اپنے عمل کا بھی پکا مسلمان ہونا چاہیے۔

یہ فریضہ اور منصب ہمارے رہنماؤں کا ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو تلقین کریں کہ آج وہ پکے مسلمان بنیں تا کہ کل سچے پاکستانی بن سکیں۔ حالانکہ وہ ہمیں صرف اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ پاکستان کے بنتے ہی ہم پکے مسلمان بن جائیں گے۔

یہ آسان اور لفظی یقین دہانی ہے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ پرلے درجے کی خود فریبی ہے۔ اگر ہم اسلامی زندگی کا بیج آج نہیں بوئیں گے، جب کہ اسلام کے لیے ہمارا تحریکی جوش و خروش اپنے عروج پر ہے، تو کوئی بھی معقول آدمی اس یقین دہانی پر اعتبار نہیں کرے گا کہ جب تحریک ختم ہو جائے گی اور سیاسی آزادی مل جائے گی تو ہم یکایک خود بخود سچے مسلمان بن جائیں گے۔

بعض رہنما میرے اس خیال کے جواب میں کہتے ہیں: "بھائی صاحب، تم قنوطی

ہو۔ خواہ مخواہ تشویش میں مبتلا رہتے ہو۔ ہم سب سچی اسلامی زندگی کے آرزومند ہیں، لیکن ابھی، اسی وقت اس پر اصرار خلاف مصلحت ہو گا۔ ہماری صفوں میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو سیاسی میدان میں قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہیں، لیکن غلط تربیت کے باعث مذہب کی زیادہ پروا نہیں کرتے۔ اگر ہم اپنی تحریک کے آغاز ہی میں اپنی جدوجہد کے مذہبی پہلو پر زیادہ زور دیں گے تو ان قیمتی کارکنوں کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے گا، جس کا ہماری جدوجہد پر بہت برا اثر پڑے گا اور یہ سراسر نقصان کی بات ہو گی۔ ہمارے نصب العین کو ضعف پہنچے گا۔ ہم اپنے رضاکاروں کو کھونا نہیں چاہتے۔ ان کی خدمات سے محروم نہیں ہونا چاہتے۔ ہماری اپنی اسلامی مملکت حاصل ہونے تک ہم اپنے عوام کی مذہبی اصلاح کا کام ملتوی کرنے پر مجبور ہیں۔ فی الحال ہمیں اپنی توانائیاں اس چھوٹے مقصد کے حصول کے لیے وقف کر دینی چاہئیں۔ یعنی غیر مسلم تسلط سے مسلمانوں کی آزادی اور اپنی توانائیاں خالص مذہبی معاملات پر فی الحال خرچ نہیں کرنی چاہئیں۔ ایک سچی اسلامی ہیئتِ حاکمہ کا مقام اور مسلمانوں میں سچا مذہبی شعور بہت اہم کام ہے، لیکن یہ قیام پاکستان کے بعد شروع ہو گا۔ فی الحال مغرب زدہ بھائیوں اور بہنوں کو اپنے نصب العین سے الگ کر دینے سے نقصان ہو گا بلکہ مذہب پر زیادہ زور دینے سے پاکستان کے علاقے میں رہنے والی غیر مسلم اقلیتوں کو بھی تشویش پیدا ہو گی۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ طرزِ استدلال بالکل غلط ہے، اور عقلی لحاظ سے بد دیانتی۔ آیئے ان حضرات کی ایک ایک دلیل پر نکتہ بہ نکتہ غور کرتے ہیں۔ پہلے غیر مسلم اقلیتوں والی بات لیتے ہیں۔

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ اسلامی طرزِ فکر و حیات پر زور دینے سے ہماری غیر مسلم اقلیتوں میں تشویش پیدا ہو گی، تو میں آپ سے پوچھتا ہوں: "وہ کیا چیز ہے جس نے غیر مسلموں کو نظریۂ پاکستان کا سخت مخالف بنا رکھا ہے"؟ ظاہر ہے، فرقہ وارانہ راج کا خوف،

اس بات کا خوف، کہ مسلم اکثریتی علاقے بھارت ماتا سے کٹ جائیں گے۔ یہ مسئلہ غیر مسلموں کے ذہن میں پیدا ہی نہیں ہوتا کہ مسلمان اسلامی اصول و احکام کے مطابق اپنی زندگی گزارنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ وہ اگر خائف ہیں تو اس بات سے کہ بعض علاقوں میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار قائم ہو جائے گا۔ انہیں بہ نظر ظاہر اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ مسلمان اپنے مذہب پر چلنے کی کتنی امنگ رکھتے ہیں اور اس پر چلنے کے کیسے عزائم رکھتے ہیں۔ بعض علاقوں میں مسلم سیاسی اقتدار کے خلاف وہ ہر حالت میں اور ہر صورت میں مخالفت کریں گے اور اسے رکوانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے۔

ہمارے حریفوں کے مخالفانہ رویے کے باوجود اگر انہیں یہ باور کرایا جائے کہ ہم مسلمانوں کا مقصد "سب کے لیے عدل و انصاف" کا قیام ہے تو وہ کسی حد تک اس خیال سے متاثر ہو سکتے ہیں، میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ ضرور متاثر ہو جائیں گے، صرف یہ کہا ہے کہ متاثر ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ ہم انہیں یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جائیں کہ ہم مسلمانوں کے مفاد کی خاطر غیر مسلموں کا استحصال نہیں کرنا چاہتے، بلکہ ہم انسانی اخلاق کے بنیادی اصولوں کی بالادستی قائم کرنے کے متمنی ہیں۔ لہٰذا یہ ہمارا فرض عین ہے کہ ہم پوری دنیا پر ثابت کر دیں کہ ہم فی الواقع قرآن مجید کے ان الفاظ کے معنی و منشاء و معیار کے مطابق زندگی گزارنا چاہتے ہیں:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ (آل عمران ۳: ۱۱۰)

اب دنیا میں وہ بہترین امت تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے دور رکھتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہمارا بہترین امت ہونے کا انحصار اس امر پر موقوف ہے کہ ہم ہمیشہ اور ہر حالت میں انصاف کی بالادستی اور بے انصافی کے انسداد کے لیے، جدوجہد کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں۔ غیر مسلموں کو اپنی عدل گستری کا یقین دلانے سے پہلے ہمیں ایک سچی مسلم قوم بننا پڑے گا۔ ہم بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ ایک غیر مسلم کو ایک ایسی ریاست میں رہتے ہوئے تشویش ضرور لاحق ہوگی، جو اس کی نظر مین معاشی حقوق و مفادات میں مسلمانوں کو غیر مسلموں پر ترجیح دے گی لیکن اگر اسے یقین دلایا جائے کہ وہاں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ یکساں سلوک ہوگا تو اس کی تشویش دور نہ بھی ہو تو اس میں کمی ضرور ہو جائے گی۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ہم اپنے حریفوں کو اپنی اصلی سچائیاں نہیں دکھا سکتے جب تک ہم ان پر ثابت نہ کریں، اوّل یہ کہ اسلامی حکومت کا مطلب ہے عدل سب کے لیے، دوم یہ کہ ہم مسلمان واقعی اپنے دین کے احکامات کے، قول و فعل دونوں کے لحاظ سے سچے پیروکار ہیں۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلامی حکومت میں عدل سب کے لیے ہوتا ہے، تو ایسا ہی ہوگا۔ اس لیے یہ سمجھنا انتہائی غلط ہے کہ اگر ہم اپنے مذہبی مقاصد پر زور نہیں دیں گے اور حتی الوسع براہِ راست مذہبی حوالے دینے سے احتراز کریں گے تو اس طرح غیر مسلم اقلیتوں کی تشویش دور ہو جائے گی۔ بلکہ ہمارے اس رویے سے تو انہیں یہ شبہ ہوگا کہ ہم منافقت سے کام لے رہے ہیں۔ ان کی تشویش دور یا کم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم صاف دلی سے، اور پوری تفصیلات کے ساتھ بتا دیں کہ ہمارے اخلاقی مقاصد کیا ہیں جن کے لیے ہم جدوجہد کر رہے ہیں، لیکن صاف دلی سے دیے گئے بیانات سے بھی کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا، تاوقتیکہ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں انہیں یہ مشاہدہ نہ کرا دیں کہ ہمارے اخلاقی مقاصد محض نعرے نہیں ہیں، بلکہ ہمارے اخلاقی اعمال ہیں۔

عارضی قسم کے "خلافِ مصلحت" یا "سیاسی تدبر" کے نام پر (غلط فہمی سے)

اپنے اصل مستقل اسلامی مقاصد سے گریز پائی ایک ایسی عاقبت نااندیشی ہے، جس سے غیر مسلموں پر تو برا اثر پڑتا ہی ہے، ہم مسلمانوں کے اخلاقی مزاج پر بھی نقصان دہ اثر پڑتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ ہم اسلام کے بتائے ہوئے راستے سے مزید دور ہو جائیں۔ ہم مسلمانوں کے سامنے احیائے اسلام کا جو اصل نصب العین ہے، اس کے زیادہ سے زیادہ شعور و آگہی کے بجائے، ہم دوبارہ مصلحت اندیشی اور فوری آسائش کی اصطلاحوں میں سوچنے کے عادی ہو جائیں گے، جیسا کہ ہم صدیوں سے اس کے عادی چلے آ رہے ہیں اور یوں پاکستان کا اسلامی نصب العین یقیناً گھٹ کر صرف نظریہ پرستی بن کر رہ جائے گا، جیسا کہ مغرب کی نام نہاد مسیحی اقوام میں مسیحیت کے سچے مقاصد گھٹ کر اپنی اصلیت کھو چکے ہیں۔

ہم ہرگز ایسا نہیں چاہتے۔ ہم پاکستان اس لیے بنانا چاہتے ہیں کہ اسلام کو اپنی روزمرہ کی زندگیوں میں "حقیقت" بنا دیں۔ ہم پاکستان اس لیے بنانا چاہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک شخص، مرد و زن، سچی اسلامی زندگی گزار سکے۔ اور کسی فرد کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر زندگی بسر کرنا ممکن نہیں، تاوقتیکہ پورا کا پورا معاشرہ شعوری طور پر اسلام کو ملک کا قانون و دستور نہ بنائے اور کتاب و سنت کے احکام پر صدقِ دل سے عمل نہ کرے۔

لیکن اس قسم کا اصلی پاکستان حقیقت کا جامہ اسی وقت پہن سکے گا جب ہم اسلامی قانون کو اپنے "غیر واضح اور مبہم" مستقبل کے لیے اصل اصول بنالیں اور ابھی اسی گھڑی، اسی گھنٹے، اسی منٹ، اسی سیکنڈ سے اسلام اور اس کے احکام کو اپنے تمام شخصی اور معاشرتی طرزِ عمل کی اساس بنالیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہماری صفوں میں ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جو مذہب کو اس حد تک غیر اہم خیال کرتے ہیں کہ تحریکِ پاکستان کے مذہبی رخ پر اصرار کرنے سے وہ ہم سے ناراض ہو جائیں گے۔ اگرچہ دوسری طرف یہ بات بھی ہے کہ اگر انہیں

یہ احساس دلا دیا جائے کہ مسلم قوم بہ حیثیت مجموعی اسلام کی جانب پیش قدمی کرنے کا عزم صمیم کر چکی ہے تو مذہب سے بے زار یہ لوگ بہت جلد جماعت کے آگے سر تسلیم خم کر دیں گے۔ بہر صورت ان کی ذاتی ترجیحات کی زیادہ پروا نہیں کرنی چاہیے اور ہمارے عزم کی راہ میں ان کی بے عزمی کو راہ نہیں ملنی چاہیے۔ کیا یہ ممکن تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفارِ قریش کی ناراضی سے بچنے کے لیے اور اس انتظار میں کہ ایک روز وہ اسلامی ریاست کی تشکیل و تعمیر میں معاون و مددگار ثابت ہوں گے، ایک دن کے لیے بھی اسلامی مقاصد کی تحصیل و تکمیل کو ملتوی کر دیتے؟

آپ اس کے جواب میں زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ "رسولؐ تو آخر رسولؐ تھے ان کے لیے مصلحت کوشی کو نظر انداز کرنا ممکن تھا۔ ہم تو عام سے گناہ گار بندے ہیں"۔ اس کے جواب میں، میں آپ سے پوچھوں گا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر یقین رکھتے ہیں:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب ۳۳:۲۱)

در حقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ تھا۔

کیا یہ حکم ربانی آپ کی سیاست اور آپ کی دعاؤں، آپ کے ذاتی حالات و تفکرات اور آپ کی اجتماعی و معاشرتی زندگی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا؟

پس چہ باید کرد

یہ سوچ ہماری روحانی ژولیدگی کی علامت ہے، اور اس کی بڑی وجہ صدیوں سے چلے آنے والا ہمارا زوال ہے۔ کوئی ایسی سیاسی تحریک جو اسلامی تجدید و احیا کا بھی دعویٰ کرے، وہ اپنے اصل مقصد سے منحرف ہونے کے باعث ضرور ناکام ہو جاتی ہے اور گھٹ

گھٹا کر مصر، ترکی اور شام جیسے ملکوں کی ''قومی تحریک'' بن جاتی ہے۔ ہمارے اکثر و بیشتر لیڈروں کا غالب رجحانِ طبع یہ ہے کہ وہ ہماری جدوجہد کے روحانی اسلامی پس منظر کو تو (غالباً دانستہ) نظر انداز کر دیتے ہیں اور مسلمانوں کے مطالبہ آزادی کے جواز میں ہندو اکثریت کے ساتھ ان کے تلخ تجربات پیش کرنے کے پہلو بہ پہلو ہندوؤں کے سماجی رسوم وروایات اور ثقافتی مظاہر سے مسلمانوں کے اختلافات بیان کر کے انہیں ''ایک جداگانہ قوم'' ثابت کرنے پر زورِ بیان صرف کر دیتے ہیں۔ اس طرح بجائے اس کے کہ لفظ امت یا ملت کے اسلامی مفہوم میں ''جداگانہ مسلم قومیت'' کے مفہوم کی تشریح کی جائے، جداگانہ مسلم قومیت کی حقیقت پر (اور بلاشبہ یہ حقیقت بھی ہے) لفظ ''قومیت'' کے مغربی مفہوم میں باتیں کرنے کا رجحان بڑھتا چلا جارہا ہے۔ ہمیں بلاخوف وخطر، بہانگ دہل، ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کرنے میں ہچکچاہٹ کیوں ہے کہ لفظ ''قوم'' کے روایتی ورواجی مفہوم سے ہمیں کوئی نسبت نہیں ہے۔ ہاں ہم ایک قوم ہیں لیکن محض اس لیے نہیں کہ ہماری عادات، ہمارے رسوم ورواج، ہمارے ثقافتی مظاہر اس ملک میں بسنے والی دوسری قوموں سے مختلف ہیں، بلکہ ہم اس مفہوم میں ایک قوم ہیں کہ ہم اپنے ایک خاص نصب العین کے مطابق اپنی زندگیاں ڈھالنا چاہتے ہیں۔

اسلام سے وابستہ ہونا ہی ہمارے جداگانہ تشخص کا واحد جواز ہے۔ ہم کوئی نسلی وحدت نہیں ہیں۔ ہم لسانی وحدت بھی نہیں ہیں، حالانکہ اردو مسلمانانِ ہند کی زبان کی حیثیت سے بڑی ترقی یافتہ زبان ہے۔ ہم انگریزوں یا عربوں یا چینیوں کی طرح ''قوم'' نہیں ہیں، اور نہ کبھی اس مفہوم میں ایک قوم بن سکتے ہیں اور یہی ایک حقیقت کہ ہم لفظ ''قوم'' کے روایتی ورواجی مفہوم میں نہ تو قوم ہیں اور نہ قوم بن سکتے ہیں۔ ہماری اندرونی قوت کا بہت بڑا سرچشمہ ہے۔ کیونکہ اس حقیقت کی بنیاد پر ہمیں یہ شعور حاصل ہوتا ہے کہ پورے کرۂ

ارض پر، پوری دنیا میں، ہم، فقط ہم، بشر طیکہ ہم ایسا چاہیں ایسی شاندار حیاتِ نو پیدا کر سکتے ہیں کہ جس نے چودہ سو سال پہلے عرب کے صحراؤں سے جنم لیا اور اپنی برکات و ثمرات سے دنیا کو ہمکنار کیا۔ ایسے آزاد مردوں اور عورتوں کی ایک امت جو نسل، زبان اور وطن کے اتفاقی و حادثاتی بندھنوں کے باعث متحد و یک جان نہیں ہوئے تھے، بلکہ ایک مشترکہ نصب العین سے اپنی باشعور اور آزادانہ وفاشعاری کے باعث متحد و متفق تھے۔

بد قسمتی سے ہمارے صفِ اوّل کے اکثر رہنما مسلمانوں کے اس گم کردہ راہ اور تشکیک پسند طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جن کے نزدیک اسلام "ثقافتی روایت" کے سوا کچھ نہیں اور یوں پاکستان بھی ان کے خیال میں محض اس راہ کا ایک نشان ہے، پہلا قدم سہی، جس پر نام نہاد "ترقی یافتہ" مسلم اقوام کاربند ہیں، یعنی بہ تمام و کمال قومیت کی راہ۔ ہماری جدوجہد کے اسلامی پہلو پر یہ رہنما کبھی کبھار، زبانی کلامی کچھ کہہ بھی لیتے ہیں لیکن فی الحقیقت اسلام کے مذہبی اصولوں کے مطابق مسلمانوں کے ذاتی و اجتماعی زندگی ڈھالنے کی طرف اشارے کنایے میں بھی بات نہ کرنے کو "جدیدیت" خیال کرتے ہیں۔ پاکستان کے مطالبے کو بھی اسلامی مقاصد سے ہم آہنگ کرنے میں انہیں عار محسوس ہوتی ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ نیم دلانہ رویہ تحریک پاکستان کے بدن سے، سب سے متحرک اور فعال عنصر یعنی روحانی عنصر کو نکال لیتا ہے۔ اور یہ چیز پاکستان کے مستقبل کے لیے اتنا بڑا خطرہ ہے کہ باہر کی کوئی مخالفت اس خطرے کی پاسنگ بھی نہیں ہے۔

عظیم اقوام کے مقدر کا انحصار اس بات پر نہیں ہوتا کہ ان کی پڑوسی اقوام اصولاً ان کے اغراض و مقاصد سے اتفاق یا اختلاف کرتی ہیں۔ ان کے مقدر کا انحصار ان کے اغراض و مقاصد کی روحانی طاقت (یا کمزوری) پر ہوتا ہے۔ اگر پاکستان کے لیے ہماری آرزو نتیجہ ہے ہماری تخلیقی قوت اور ہمارے قلبی خلوص کا، اگر منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے ہی

اس کے منظر کے بارے میں ہماری بصارت واضح اور ہماری بصیرت پاکیزہ ہے، اگر مقصد کو مقصد بالذات جان کر اس سے محبت کرنے کا سلیقہ سیکھ لیں، اس عقیدے کے ساتھ کہ اپنے متعلقہ مفہوم میں یہ خیر اعلیٰ ہے (یا یوں کہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں خیر اعلیٰ ہے) اور محض اس لیے خیر نہیں ہے کہ بہ نظر ظاہر ہمارے لیے اور ہماری قوم کے لیے معاشی طور پر فائدہ رساں ہے، تب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں پاکستان بنانے سے نہیں روک سکتی۔ ایک ایسا پاکستان جو دنیا بھر میں تجدید واحیائے اسلام کا دروازہ کھول دے گا۔

اور اس کے برعکس اگر خود اختیاری کے لیے ہمارا مطالبہ نتیجہ ہے غیر مسلم اکثریت کے تسلّط کے خوف کا، اگر ہمارے ذہن پر مستقبل کی تصویر کا محض ایک دھندلا سا عکس ہے، اگر یہ کسی بلند وبالا چیز کی خاطر آزاد ہونے کی آزادانہ آرزو نہیں ہے، اگر یہ صرف کسی چیز سے آزاد ہو جانے کی گداگرانہ خواہش ہے، اگر اسلام ہمارے لیے مقصود بالذات اور ایک اخلاقی داعیہ نہیں ہے، اگر اسلام ہمارے لیے محض ایک عادت ایک رسم اور ایک ثقافتی ٹھپہ بن کر رہ گیا ہے، تب ایسی صورت میں یہ تو ممکن ہے کہ ہم اپنی عددی طاقت کے بل پر پاکستان قسم کی کوئی چیز حاصل کر لیں، لیکن ایسا پاکستان اس پاکستان کے برابر نہ ہو گا، جسے حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے حد و شمار امکانات سے نوازا ہے۔ ایسا پاکستان بے شمار قومی ریاستوں کے منقسم ہجوم میں ایک اور "قومی ریاست" سے زیادہ کچھ نہ ہو گا۔ بہت سی ریاستوں سے اچھا، بہت سی ریاستوں سے برا۔ مسلم عوام کے تحت الشعور میں بسا ہوا خواب، اور ان لوگوں کے شعور میں آیا ہوا خواب جنھوں نے پہلے پہل پاکستان کی باتیں اس وقت کیں، جب یہ نام بھی پردۂ شہود میں نہ آیا تھا، وہ خواب کیا تھا؟ ایک ایسی ہیئتِ حاکمہ کا قیام جس میں رسول کریمؐ کے اسوۂ حسنہ اور سنت کو ہر قدم پر، ہر پہلو سے حقیقت کا جامہ پہنایا جا سکے۔

فیصلے کی گھڑی آن پہنچی ہے

اگر ہمارے موجودہ رہنما ہمارے عوام کی دل کی دھڑکنیں بن سکیں، تو انہیں یقیناً احساس ہو جائے گا کہ عام مسلمان محض ایک ایسی نئی ریاست کا خواب نہیں دیکھتا، جس میں مسلمانوں کو موجودہ معاشی مراعات سے کچھ زیادہ حاصل ہو سکیں۔ وہ تو ایک ایسی ریاست کا خواب دیکھ رہا ہے جس میں احکامِ الٰہی کی فرماں روائی ہو۔ ایسا نہیں ہے کہ عام آدمی معاشی مراعات و سہولیات کی پروانہ کرتا ہو۔ وہ یقیناً پروا کرتا ہے، بہت زیادہ کرتا ہے۔ معاش ہر شخص کی بنیادی ضرورت ہے لیکن وہ محسوس کرتا ہے، اور بجا طور پر محسوس کرتا ہے کہ ایک سچی اسلامی ریاست میں اسے نہ صرف معاشی انصاف اور مادی ترقی کا مساوی موقع ملے گا، جو فی الوقت اسے حاصل نہیں ہے، بلکہ اس کے انسانی وقار اور اس کے روحانی استحکام میں بھی قابلِ قدر اضافہ ہو گا۔

ہمارے عام آدمی کا یہ احساس، یہ امید، یہ آرزو، یہ خواب، جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں، منتشر ہے، بکھرا ہوا ہے، الجھا ہوا ہے۔ یہ عقلی نہیں، جبلی ہے۔ ہمارے عوام کے ذہن صاف نہیں ہیں کہ نئی اسلامی ریاست، جس کے لیے وہ جدوجہد کر رہے ہیں، اپنے قیام کے بعد کیسی اور کس شکل و صورت کی ہو گی۔ وہ پوری طرح نہیں جانتے کہ اس ریاست کے قیام کے لیے انہیں کیا ایثار کرنا ہو گا، اور کیا قیمت ادا کرنا ہو گی اور کیا قربانیاں کس کس شکل میں دینی پڑیں گی۔ ان کے دل و دماغ میں یہ تصور واضح ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ صدیوں سے ان کا رشتہ اسلامی تعلیمات سے کٹا ہوا ہے۔ صدیوں سے وہ جہالت، ضعیف الاعتقادی اور سیاسی تذلیل کے گہرے کنوئیں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس لیے اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ وہ صرف نعروں اور زبانی کلامی وعدوں پر تکیہ کرتے ہیں۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے کہ وہ اپنے باطن میں چھپی ہوئی خواہشوں، اپنے دل میں پوشیدہ ارمانوں اور

اپنے ذہن کے لاشعوری خوابوں کے درمیان کوئی ربط پیدا نہیں کر سکتے اور انہیں ان کے اظہار پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ وہ محسوس تو کرتے ہیں، لیکن انہیں اپنے محسوسات کے اظہار کا سلیقہ نہیں آتا۔ وہ یہ تو جانتے ہیں کہ انہیں ان کی خواہشات، محسوسات اور خوابوں سمیت آتش فشانی، جہنم میں جلنے کو ڈال دیا گیا ہے، لیکن یہ نہیں جانتے کہ اس جہنم سے نکلنے کا راستہ کیا ہے؟ یہ راستہ جاننے کے لیے روحانی قیادت کی ضرورت ہے، جس کی اہمیت سیاسی قیادت سے کم نہیں۔

ہمارے رہنماؤں کے سامنے اصل کرنے کا کام کیا ہے؟ ہمارے عوام کے خوابوں اور خواہشوں کو ایک تخلیقی اور مثبت رخ پر منظم کرنا، ان میں اسلام کی روح سمونا، ان کی تنظیم صرف سیاسی طور پر نہیں، بلکہ پاکستان کے عظیم تر مقصد کی خاطر روحانی اور نظریاتی طور پر بھی کی جائے۔ انہیں صرف اس پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے کہ انہیں ایک جماعت میں منظم کر دیا جائے اور ان کے سیاسی مطالبات کو زبان دے دی جائے۔ ملت ان سے کچھ اور بھی تقاضا کرتی ہے۔ بلاشبہ تنظیم کی سخت ضرورت ہے۔ سیاسی احتجاج بھی ایک ضرورت ہے لیکن یہ تمام ضرورتیں ہمارے نظریاتی مقصد کے حصول کی خاطر ہونی چاہئیں، نہ کہ جیسا کہ آج کل دیکھنے میں آرہا ہے، یہ دوسرے تیسرے درجے کی چیزیں بن کر رہ گئی ہیں۔ ایک مسلمان کے نزدیک، جس کے لیے اسلام ہی اس کا جینا مرنا ہے، ہر سیاسی تحریک کو اپنی سندِ جواز مذہب سے حاصل کرنی چاہیے، کیونکہ مذہب سیاست سے الگ نہیں ہو سکتا، اور اس کی وجہ بڑی سادہ ہے، یہ کہ اسلام صرف ہماری روحانی ارتقا سے غرض نہیں رکھتا، بلکہ ہماری جسمانی معاشرتی اور اقتصادی زندگی سے بھی پورا پورا تعلق رکھتا ہے۔ اسلام ہمارا مکمل ضابطۂ حیات ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کے لیے پاکستان کی حمایت میں، پاکستان کی خاطر مسلم عوام سے مسلم رہنما جو پرزور اپیلیں کرتے رہتے ہیں، ان کا پہلا حوالہ پاکستان میں اسلام

کا دینی و مذہبی پہلو ہونا چاہیے۔ اگر اس اندرونی آواز اور مطالبے کو نظر انداز کیا گیا، تو ہماری جدوجہد اپنے تاریخی مشن کو پورا نہ کر سکے گی۔

ہمارے لیڈروں کے لیے اسلامی و نظریاتی قیادت کی ضرورت آج کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اگر سب نہیں تو گنتی کے چند رہنما ایسے ضرور موجود ہیں جو وقت کی اس اہم ضرورت

سے پوری طرح باخبر بھی ہیں اور اس ذمہ داری سے پوری طرح عہدہ برآ بھی ہو رہے ہیں، مثال کے طور پر چند ماہ قبل مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے شاندار جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر قائداعظم کے دست راست لیاقت علی خان صاحب نے جو خطبہ صدارت پیش کیا، انہوں نے بڑے زور دار طریقے سے اس حقیقت کو اجاگر کیا کہ تحریک پاکستان کے محرکات کا اصل سرچشمہ قرآن مجید ہے، لہٰذا ہم جس اسلامی ریاست کے قیام کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں، وہ اپنی سند اختیار و مجاز صرف شریعت سے حاصل کرے گی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے بھی متعدد مواقع پر ایسے ہی اندازِ فکر میں خطاب کیا ہے۔ ایسے بیانات و خطابات چونکہ مسلم لیگ کی ہائی کمان کی طرف سے آتے ہیں، اس لیے مسلم لیگ کے مقاصد و اغراض کی تشریح و ترجمانی ہو جاتی ہے، لیکن محض تشریح و ترجمانی کافی نہیں۔ اگر مسلم لیگ کے اسلامی اغراض و مقاصد کو ہماری سیاست پر عملاً اثر انداز ہونا ہے تو مسلم لیگ کی ہائی کمان کو زیادہ ٹھوس بنیاد پر وضاحت و تشریح کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس کام کی خاطر اربابِ دانش کی ایک بااختیار مجلس بنانی چاہیے جو ان اصولوں کی مناسب وضاحت و تشریح کرنے کا فریضہ انجام دے جن پر پاکستان کی بنیاد استوار کی جائے گی۔

چند سال پہلے تک اس کام کی ضرورت اتنی شدید نہ تھی، کیونکہ اس وقت ہماری سیاسی منزلِ مقصود بھی واضح نہ تھی، لیکن جیسا کہ آج کل کے حالات کا تقاضا ہے، ملک میں

ایسی زبردست تبدیلیاں پے بہ پے آ رہی ہیں جن کے سبب مستقبل قریب میں پاکستان کا حصول و قیام ممکن نظر آ رہا ہے۔ اب یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ جون ۱۹۴۸ء سے پہلے پہلے پاکستان نام کی ایک نئی آزاد اور خود مختار ریاست کسی نہ کسی شکل میں وجود میں آ جائے گی۔ یہی ہے وہ نکتہ جو میں آپ کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا ہے "کسی نہ کسی شکل میں" اب یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام ہے اور یہ ہمارے ہاتھ میں ہے کہ پاکستان کی شکل کیسی ہو۔ اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ یہ سوال کہ "کیا ہم واقعی اسلام چاہتے ہیں"؟ اب محض نرے غور و فکر کے صاف ستھرے شعبے سے نکل کر فوری نوعیت کی عملی سیاست میں داخل ہو گیا ہے اور پوری شدت سے پوچھ رہا ہے: "کیا ہم واقعی اسلام چاہتے ہیں"؟

یہ عین ممکن ہے کہ اس مضمون کے شائع ہونے سے پہلے ہی قائداعظم نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی قائم کرنے کا مژدہ مسلمانانِ ہند کو دے دیا ہو اور اگر اس وقت تک ایسا نہ بھی ہو سکا تو بہت جلد اس کا اعلان منظر عام پر آ جائے گا۔ لہٰذا مسلمان واضعینِ قانون اور اربابِ دانش کو فوراً ذہنی

طور پر خود کو تیار کر لینا چاہیے کہ نئی اسلامی ریاست کا سیاسی نظام کیا ہو گا، کس نوعیت کا معاشرہ استوار کرنا ہو گا، اور قومی مقاصد کیا ہوں گے۔ ان کے سامنے جو مسئلہ درپیش ہے وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل سادہ ہے: "کیا ہماری ریاست مذہب سے عالمی دوری کی ایک اور علامت ہو گی ان مسلم ریاستوں میں ایک اور مسلم ریاست کا اضافہ، جن میں اسلام کا کوئی اثر اور عمل دخل نہیں ہے نہ سیاسی نظام کی تشکیل میں نہ معاشرتی طرزِ عمل میں، یا پھر یہ جدید تاریخ میں ایک نہایت پر جوش اور انتہائی شاندار تجربہ ہو گا، اس شاہراہ پر پہلا قدم جو انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری انسانیت کو دکھائی تھی؟ کیا پاکستان برعظیم ہندوستان کے چند خاص علاقوں میں مسلمانوں کی قومی ترقی کا ایک ذریعہ ہو گا، یا پھر پاکستان

ایک عملی سیاسی نظریے کے طور پر پوری دنیا میں اسلام کی تجدید و احیا کی علم برداری کرے گا؟

اگر کبھی کسی قوم کے سامنے فیصلے کی گھڑی آیا کرتی ہے کہ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں شعوری فیصلہ کرے، تو مسلمانانِ ہند کے لیے فیصلے کی گھڑی آ گئی ہے۔ اب یہ ذمہ داری ہمارے رہنماؤں کے کندھوں پر ہے کہ وہ فیصلہ کریں اور صحیح فیصلہ کریں۔

اس سے پہلے کبھی مسلم رہنماؤں کو ایسا اختیار تفویض نہیں ہوا کہ وہ ملت کی تقدیر کا فیصلہ صحیح (یا غلط) سمت میں کریں۔ یہ ان کے اختیار و طاقت میں ہے کہ وہ جلد از جلد اپنا فیصلہ سنائیں کہ ہندی مسلمان صحیح معنی میں مسلمان اور حیاتِ نو پانے والے اسلام کے پشت پناہ بن جائیں گے، یا پھر نام نہاد مسلمان گروہوں اور ریاستوں کے ہجوم میں ایک اور مسلمان گروہ اور ریاست کا اضافہ ہو جائے گا، جہاں اسلام کی حیثیت ایک ثقافتی ٹھپے سے زیادہ نہیں، جہاں اسلام اور اس کے اصول و احکام امتِ مسلمہ کے معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی وجود کے لیے ناگزیر خیال نہیں کیے جاتے۔ مسلم لیگ کی موجودہ قیادت، میں پھر دہراتا ہوں، مسلم لیگ کی موجودہ قیادت کے ہاتھ میں ہے فیصلہ کرنا، صحیح فیصلہ کرنا، کیونکہ حصولِ پاکستان کے لیے جوش و خروش کی جو زبردست لہر اٹھی ہے، وہ مسلم لیگ نے اٹھائی ہے، اور اس نے اس ملک کے تمام مسلم عوام کو اٹھا دیا ہے، انہیں متحد کر دیا ہے، اور ایسا متحد کیا ہے کہ اس سے پہلے کبھی ماضی کی تاریخ میں اتحاد کا ایسا شاندار مظاہرہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ اور جوش و خروش کی اس لاثانی لہر نے ہمارے رہنماؤں کو مسلمانوں کی قیادت کے لیے ایسی باوقار طاقت عطا کی ہے، جو گزشتہ کئی صدیوں کے دوران میں کسی قوم نے اپنے رہنماؤں کو کبھی نہیں دی تھی۔ گویا اسی با اختیار و قار و طاقت کی بنا پر ان کی اخلاقی ذمہ داری بھی بہت زیادہ ہے۔ انہیں یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے

کہ ان کی ذمہ داری "سیاسی تدبر" سے شروع ہو کر "سیاسی تدبیر" پر ختم ہو جاتی ہے۔ سیاسی تدبیریں خواہ کتنی بھی ضروری اور ناگزیر ہوں، یہ محض ثانوی نوعیت کی ہوتی ہیں اور لیڈروں کے فرائض میں ایک عبوری اور عارضی مرحلے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیڈروں کا اصل منصب و فریضہ "قوم سازی" ہے۔ چونکہ ہماری قومیت کی بنیاد اسلام ہے، اس لیے ہمارے لیڈروں کو فوراً اسلام کی اصطلاحوں میں سوچنا شروع کر دینا چاہیے، کیونکہ مستقبل کے لیے افکارِ تازہ کی نمود کو ملتوی کیے جانا اب کسی اعتبار سے مناسب نہیں (یہ سوچنا اور کہنا اب غلط اندیشی ہے کہ "ایسے امور و معاملات پر اس وقت غور کیا جائے گا جب پاکستان قائم ہو جائے گا") ہمارے لیڈروں کو اسلام کے تقاضوں اور مسلم قوم کے عارضی مفادات کے درمیان خیالی خط نہیں کھینچنا چاہیے کیونکہ اسلام کے تقاضے جامع اور ہمہ گیر ہیں، ان میں مسلمانوں کے روحانی معاملات بھی شامل ہیں اور معاشی مفادات بھی۔ اسلام کے تقاضوں کے آگے مکمل، رضاکارانہ اور باشعور دست برداری واحد حل ہے۔

مختصر یہ کہ اب یہ ہمارے سیاسی رہنماؤں کا فرض ہے کہ وہ عوام کو بار بار تلقین کریں کہ حصولِ پاکستان کا مقصد ایک سچی اسلامی ہیئتِ حاکمہ کا قیام ہے، اور یہ مقصد کبھی حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک تحریک پاکستان کا ہر کارکن، وہ مرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا چھوٹا، دیانت داری سے اپنی زندگی کو ہر گھنٹے اور ہر منٹ اسلام کے قریب سے قریب تر لانے کی کوشش نہ کرے گا، کیونکہ ایک اچھا مسلمان ہی اچھا پاکستانی بن سکتا ہے۔

ہمارا اخلاقی قدو قامت

یہ بات جہاں عامۃ المسلمین پر صادق آتی ہے، وہیں ہمارے لیڈروں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ انہیں اپنے معاشرتی رویے سے یہ ظاہر و ثابت کرنا ہو گا کہ وہ پوری سنجیدگی سے اسلام کو ایک سچا اصول و نظریہ قرار دیتے ہیں اور اسے محض ایک نعرہ نہیں سمجھتے۔ سادہ

لفظوں میں یوں کہیے کہ وہ اسلام کے عین تقاضوں کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یقیناً ہمارے لیڈروں میں بہت سے ایسے بھی ہیں جن کی صرف زبان پر اسلام کا نام آتا ہے، اور وہ بھی اس وقت جب وہ کسی عوامی جلسے سے خطاب کر رہے ہوں یا کوئی اخباری بیان ان کی طرف سے جاری ہوتا ہو۔ حالانکہ ان کا شخصی و ظاہری رویہ اسلام سے اسی طرح خارج ہوتا ہے جس طرح یورپ اور امریکہ کے کسی عام سیاسی لیڈر کا شخصی و ظاہری رویہ عیسائیت سے خارج ہوتا ہے۔ اگر حصولِ پاکستان کی خاطر ہماری جدوجہد کو اس مرض ''قومیت'' کی قابلِ رحم حالت میں ضائع نہیں ہونا ہے، جس میں پوری دنیائے

اسلام مبتلا ہے، تو ہمارے لیڈروں کا رویہ فوراً بدل جانا چاہیے۔ اگرچہ یہ ہمارا کام نہیں ہونا چاہیے کہ کسی شخص کی ذاتی عقائد کے نگران و منصف بن جائیں، کیونکہ یہ صرف اللہ کا کام ہے، تاہم ملت کو اپنے رہنماؤں سے یہ توقع کرنے کا حق حاصل ہے کہ ان کا طرزِ زندگی اس نظریے کے عین مطابق ہے، جس کے تحفظ کا وہ اپنی زبان سے دعویٰ کرتے ہیں۔

آخر میں ایک اور بات۔ اگر ہمارے لیڈر اسلامی شعور و آگہی کی اعلیٰ ترین بلندیوں پر پہنچ جائیں، تب بھی صرف ان کی مثال ہمارے روحانی مقصد کے حصول و تحفظ کے لیے ناکافی ہو گی۔ ہماری قوم کو اخلاقی و معاشرتی زوال کے اس گڑھے سے نکل کر اٹھنا ہو گا، جس میں وہ گری پڑی ہے۔ ہمارا موجودہ اخلاقی قد و قامت اس معیار سے بھی نیچے ہے جس کا تقاضا اسلام ہم مسلمانوں سے کرتا ہے۔ تہذیب کی روح کا ہم میں فقدان ہے۔ آرام طلبی اور تن آسانی سے ہمیں محبت ہے۔ جب ذاتی مفاد کی کوئی بات سامنے آئے تو ہمیں جھوٹ بولنے سے عار نہیں۔ ہمیں اپنے وعدے وعید توڑنے میں مزا آتا ہے۔ جب بد عنوانی، خود غرضی، چال بازی، فریب کاری کے واقعات ہماری روزمرہ کی زندگی کے مشاہدے میں آتے ہیں تو ہم بڑی معنویت سے مسکراتے یا بڑی ڈھٹائی سے ہنستے ہیں۔ ہمارے معاشرے کے بیشتر افراد کو

کسی چیز سے کوئی سچی لگن ہے، تو وہ چیز وہ ہے جسے عرفِ عام میں "سہانا مستقبل" (career) کہتے ہیں۔ اپنے لیے اور اپنے رشتہ داروں کے لیے، چھوٹے سے چھوٹے فائدے کے لیے وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں، جو ان سے ہو سکتا ہے۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے پیٹھ پیچھے غیبت کرنا اور بہتان لگانا ہمارا قومی شعار بن چکا ہے۔ مختصر یہ کہ ہم نے اپنے وجود کے اصل سرچشمے یعنی اسلامی تعلیمات سے فیض یاب نہ ہونے کی قسم کھا رکھی ہے۔

ایسے حالات میں ہم کیونکر ایک سچے اسلامی ملک پاکستان کے شایانِ شان شہری بن سکتے ہیں؟ ایسے حالات میں ہم کیوں کر ایسا سچا اسلامی ملک پاکستان حاصل کر سکتے ہیں، جس کے حصول کی خاطر ہم اپنی موجودہ اخلاقی پستی سے اوپر اٹھنے کی ذرا بھی کوشش نہ کریں؟ جب ہمارے دل میں حبِ الٰہی اور خوفِ خدا ہی موجود نہ ہو، تو ہم کیونکر حکمِ الٰہی کو اپنے معاشرتی نظام کا مقتدر بنا سکتے ہیں؟ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان سوالوں کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ اگر مسلمان اپنے طور طریق اور اپنے اخلاقی معیار فوری طور پر تبدیل نہیں کریں گے اور ہر قدم پر شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کی روش ترک نہیں کریں گے، تو یقین جانیے کہ نظریہ پاکستان میں سے اس کی روح غائب ہو جائے گی اور یوں پاکستان کو اسلام کی جدید تاریخ میں جو منفرد مقام حاصل ہونے والا ہے، وہ حاصل نہ ہو سکے گا۔

جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں، اور اب پھر کہتا ہوں کہ عامۃ المسلمین جبلی طور پر پاکستان کی اسلامی روح کا احساس رکھتے ہیں، اور دل و جان سے چاہتے ہیں کہ "لا الہ الا اللہ" پاکستانی قوم کی ترقی و تعمیر کے لیے نقطۂ آغاز بن جائے، لیکن ان کے خیالات میں ابہام اور ژولیدگی ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ جانا کدھر کو ہے۔ انہیں رہنمائی کی ضرورت ہے۔ رہنمائی رہنما کا منصب ہے۔ سوال گھوم پھر کر پھر قیادت کے سامنے آ گیا ہے۔

مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ عصر حاضر کی مسلم قیادت کا بڑا امتحان یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کی رہنمائی صرف سیاست و معیشت کے میدان میں نہ کریں، بلکہ روحانی اور اخلاقی میدان میں بھی کریں اور مسلمانوں کو باور کرائیں کہ:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ ط (الرعد ۱۱:۱۳)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی قوم کی سیاسی و معاشی حالت بہتر نہیں ہو سکتی جب تک اس کی مجموعی اخلاقی حالت بھی بلند نہ ہو۔

ہماری چند دیگر مطبوعات

دعوۃ اکیڈمی
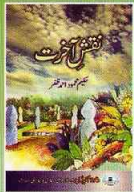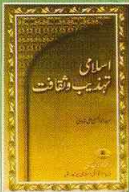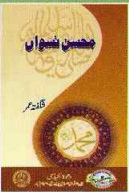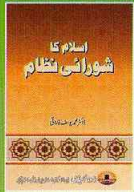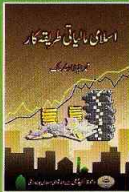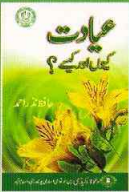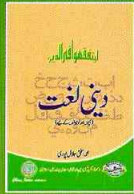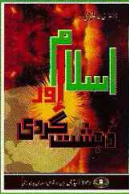
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی

پوسٹ بکس : 1485 اسلام آباد، پاکستان فون : 9261751~4, 2262031 فیکس : 2261648

ای میل : www.dawaha nail.com